www.novelsclubb.com
سیاہ
سفید
NC arts
از قلم تحریم صدیقی
:novelsclubb
03257121842
read with laiba

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

سیاہ سفید

از قلم

تحریم صدیقی

www.novelsclubb.com

سیاہ سفید

از قلم تحریم صدیقی

قسط6:

بس کی کھڑکی سے باہر وہ تیزی سے گزرتے ہوئے درخت اور عمارتیں دیکھ رہا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ اُسے اُس کی شناخت کے قریب لے جا رہا تھا۔ یا شاید دور۔ یہ تو وقت ہی بتانے والا تھا۔ کانوں میں ہینڈ فری لگاتے ہوئے وہ گلوکار کے ساتھ گنگنانے لگا۔

"مطلبی۔۔ ہو جا ذرا مطلبی۔۔۔

دنیا کی سنتا ہے کیوں۔۔۔۔۔

خود کی بھی سن لے کبھی۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

آنکھیں موندیں وہ مسلسل لب ہلا رہا تھا۔ یہ گانا اُس کا کمفرٹ تھا۔ جب بھی وہ اپنے لیے کسی فیصلے پر پچھتانے کے قریب ہوتا، وہ یہی گنگناتا تھا۔ یہ حمدان کا ڈیفنس میکنزم تھا۔

تین گھنٹے پہلے)(

گہری بھوری پشاوری چپل اضطراب کی کیفیت میں لان کی گھاس مسل رہی تھی۔ سامنے نظر اٹھاؤ تو روشنیوں کا ایک سیلاب تھا۔ بیک گراؤنڈ میں بجتا ہلکا میوزک، نِک سک سے تیار لوگ، اِدھر اُدھر بھاگتے گرتے بچے، باربی کیو کی خوشبو اور گھاس پر بکھری گلاب کی پتیاں اس منظر کو مکمل کرتی تھیں۔ لیکن وہ اِس سب سے دور ایک کنارے پر کھڑا اپنے جوتے سے گھاس مسلنے میں مگن تھا۔ جیسے اس سے زیادہ ضروری کام اس دنیا میں تھا ہی نہیں۔

آہٹ پر سر اُٹھایا۔ حیدر اپنے ہاتھ میں بریانی اور باربی کیو کی پلیٹ تھامے کھڑا تھا۔

"میں تمہاری ماں نہیں ہوں جو بوفے سے کھانے کی پلیٹیں بنا کر تمہاری خدمت میں پیش کروں۔" ایک پلیٹ حمدان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے وہ طنز کر گیا۔

"تمہارے جیسی ماں خدا جہنم میں بھی نہ دے۔" حساب برابر کرتے ہوئے بریانی کا چمچ منہ میں رکھا۔ چاولوں کے ساتھ مسالے کا ذائقہ منہ میں گھل گیا۔

"میں کونسا تمہاری جیسی بغیرت اولاد کی ماں بننے کو مر رہا ہوں۔" کٹیلی نگاہوں سے اپنے بدتمیز دوست کو دیکھا۔ بادامی رنگ کی شلوار قمیص، پشاوری چپل اور ہلکی داڑھی۔ وہ وجیہہ لگ رہا تھا۔

"تم چاہ کر بھی ماں نہیں بن سکتے۔" باور کروایا۔ اور پھر وہ دونوں ہنس پڑے۔

ایک ہاتھ سے پلیٹ پکڑے، دوسرے ہاتھ سے پیٹ پکڑ کر وہ ہنستے جا رہے تھے۔

کئی نگاہوں کئی لوگوں نے دنیا کی فکروں سے بے نیاز ہنستے ان دوستوں کو دیکھا۔ کچھ میں رشک تھا۔ کچھ میں حسد۔

”نکاح ذیشان کا ہوا ہے۔ لیکن ہنسی تمہاری نہیں رُک رہی۔ کیا بات ہے؟“

بامشکل ہنسی روکتے ہوئے، سرخ چہرہ لیے حیدر پوچھنے لگا۔ کمبخت کی ہڈی کو چین بھی تو نہیں ہے۔ ہر وقت تجسس۔

”دوست کی خوشی میں خوش ہونا فرض ہے۔“ حمدان پھر سنجیدہ ہو گیا۔

”زینی یاد ہے تمہیں؟“ وہ سرگوشی کے انداز میں اُس کے قریب ہوا۔

”کون زینی؟“ حمدان کی بے نیازی اور لاعلمی پر اُس کا دل کیا اپنے دوست کے منہ پر ایک جھانپڑ رسید کر دے۔

”زینب حیات۔ سمیرہ کی کزن۔ اب یہ مت کہنا سمیرہ کون؟“ اپنے دوست سے اُسے کوئی بعید نہ تھی۔

ہماری کلاس میٹ اور ذیشان کی حالیہ منکوحہ ہے۔“ حیدر کی ”مجھے پتہ ہے۔ سمیرہ پلیٹ سے تکہ بوٹی اُچکتے ہوئے کہا۔

''زینی تمہارا فون نمبر مانگ رہی ہے۔''ایک بار پھر سرگوشی کی۔ ''لیکن میں نے صاف کہہ دیا۔ تم سے پوچھے بغیر۔۔۔۔''

''تم اُسے میرا نمبر دے دو۔'' وہ اُس کی بات بیچ میں کاٹ گیا۔ حیدر نے اُسے ایسے دیکھا، جیسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

''کیا کہا؟ نمبر دے دوں؟''یقین دہانی چاہی۔

حیدر نے اُسے بے یقینی سے دیکھا۔ ''ہاں۔''یک لفظی جواب۔ اُس کا سارا فوکس بریانی پر تھا۔ حیدر نے اُسے دیکھتے ہوئے سوفٹ ڈرنک کا کین منہ سے لگایا۔ (تھوڑی دیر پہلے پاس سے گزرتے ویٹر کی ٹرے سے ہمارے پیارے حیدر نے سوفٹ ڈرنک کے چار کین اُچکے تھے۔)

''لیکن وہ نمبر جو میں نے پچھلے ہفتے بلاک کروایا ہے۔''اُس کی دوسری بات پر حیدر کے منہ سے فوارے کی صورت سوفٹ ڈرنک باہر نکل آئی۔

"کمینے انسان۔"اُس نے دانت کچکچائے۔ حمدان نے سر کو خم دیا، جیسے تعریف وصول کی ہو۔

"ویسے زینی کو تم میں نظر کیا آیا؟" تھوڑی دیر بعد وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

"وہی جو تم میں نہیں ہے۔" مسکرا کر دیا گیا جواب اُس کے تن بدن کو سلگا گیا۔

"تمہاری آنکھیں شروع سے خراب ہیں۔ ورنہ مجھ جیسے ہینڈ سم اور معصوم لڑکے میں کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے؟"

"شرم وحیا کی۔" دوبدو جواب آیا۔

"بکواس نہ کرو۔"

"اسے رئیلاٹی چیک کہتے ہیں۔"

"اگر تم میرے دوست نہ ہوتے۔۔۔"

ہم دوست نہیں ہیں۔" وہ ایک بار پھر اُس کی بات کاٹ گیا تھا۔"

www.novelsclubb.com

"پھر ہم کیا ہیں؟"

"جہنم کے ساتھی۔" حمدان نے کہا اور وہ دونوں ایک بار پھر بری طرح ہنستے چلے گئے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ ہنسی سے دوہرے ہو رہے تھے۔

"انسان کمینہ ہو لیکن حمدان یا حیدر نہ ہو۔" کسی تیسرے کی آواز پر انہوں نے بامشکل نوارد کی جانب دیکھا۔ سفید کاٹن ساٹن کی شلوار قمیص پر سیاہ شال کندھوں پر اوڑھے ذیشان اُن دونوں کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"ایسی بھی کیا کمینگی دکھادی ہم نے؟" بامشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے دونوں یک زبان بولے۔

"مجھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں چھوڑ کر یہاں کھڑے ہنس رہے ہو۔ جانے کب سے یہ لڑکیاں کبھی سالیاں بن کر تو کبھی سمیرہ کی دوست بن کر رسموں کے نام پر مجھے لوٹ رہی تھیں۔" وہ روہانسا ہوا۔

"اب تو میرا والٹ بھی خالی ہو گیا۔" وہ بیچارگی سے بولا۔

اس لیے ساری خوبصورت لڑکیوں نے تم جیسے کنگلے مرد کو اپنی محفل سے نکال دیا۔" حیدر ترنت بولا۔

تو تمھیں کونسا اپنے پاس بٹھا کر پنکھے جھل رہی ہیں۔" ذیشان نے دانت پیسے۔ "

حمدان مسکرا کے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ یاسیت بھری مسکراہٹ۔

"میں آج رات لاہور جا رہا ہوں۔" وہ نہایت آرام سے بولا تھا۔ نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

"کس خوشی میں؟" حیدر نے تیوری چڑھائی۔

"لڑکی کا چکر تو نہیں ہے؟" ذیشان نے اپنا حصہ ڈالا۔

"یوں سمجھو کچھ کھو گیا ہے۔ وہی ڈھونڈنے جا رہا ہوں۔"

واپس کب آؤ گے؟" ہمیشہ کی طرح حیدر نے ماؤں والا سوال کیا۔ "

www.novelsclubb.com

”جب تلاش مکمل ہو گی تو آ جاؤں گا۔“ نظروں کا رُخ موڑے وہ اب اپنے اُس کی نظروں میں کچھ غیر آرام دہ تھا۔ جیسے وہ کبھی واپس دوستوں کو دیکھ رہا تھا۔ نہ آنے کے لیے جا رہا تھا۔

-------★-------

”تمہاری دوست دوبارہ نہیں آئی؟“ رات کے کھانے پر دادی نے پوچھا۔

”کون دوست؟“

”وہی معصوم سی لڑکی۔ کیا نام تھا اُسکا؟“ وہ دماغ پر زور ڈالنے لگیں۔

”ہاں۔ رباب!“ آخر کار یاد آ گیا۔

”پہلی بات، وہ میری دوست نہیں ہے۔ دوسری بات، وہ اب یہاں کبھی نہیں آئے گی۔“ چاولوں کی پلیٹ میں چمچ ہلاتے ہوئے مرتاض نے جواب دیا۔

”مجھے یقین ہے تم نے اُس لڑکی کو کچھ برا بھلا کہا ہو گا۔“

www.novelsclubb.com

"مجھے اِس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔" انداز قطعی تھا۔

"تم خود تو سارا دن آفس میں رہتے ہو اور مجھ بوڑھی کو گھر میں اکیلے رہنا پڑتا ہے۔ تنہائی کا غم تو مجھ سے سنو۔" وہ شکایتی انداز میں بات کر رہی تھی۔ وہ الگ بات ہے کہ اپنے پوتے کی شادی کروانے کیلیئے یہ اُن کے معمول کا حربہ تھا۔

"کل آپ کے لیے ایک نیا کیئر ٹیکر بھی آجائے گا۔ دو کیئر ٹیکر ہوں گے تو آپ کا دل لگا رہے گا۔"

"مجھے کیئر ٹیکر کی نہیں کسی اپنے کی ضرورت ہے۔" وہ بُرا مان گئی تھیں۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" وہ بیزار ہوا تھا۔

"مرتاض تم شادی کر لو۔"

"میری شادی سے کیا فرق پڑے گا؟" چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔ ایک بار پھر اُس کی بھوک مر گئی تھی۔

"میری پریشانی ختم ہو جائے گی۔ مجھ سے تمہارا خود کو برباد کرنا دیکھا نہیں جاتا۔"

دوپٹے کے پلو سے نم آنکھیں رگڑتی دادی کو دیکھ کر مرتاض افسردہ ہو گیا۔

"دادی جان! میری وجہ سے مت روئیں۔" وہ اب اپنی کرُسی سے اٹھ کر دادی کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"ایسی باتیں کر کے آپ خود بھی پریشان ہوتی ہیں۔اور مجھے بھی تھکا دیتی ہیں۔"

مرتاض نے اپنا سر دادی کے گھٹنوں پر ٹکا دیا۔

"میرے بیٹے۔ میں تمہاری خوشیاں کہاں سے لاؤں؟ میرے بچے، ایک برے شخص کا مطلب یہ تو نہیں کہ سب لوگ ہی برے ہیں۔"

"لیکن اُس ایک شخص کی وجہ سے میں نے بہت کچھ کھویا ہے۔"

"ماضی کی تلخ یادیں بھول جاؤ۔ خوشیوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دو۔" وہ اُس کی بالوں میں ہلکے ہاتھوں سے انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ مرتاض نے خود کو پرُسکون ہوتا محسوس کیا۔

"کچھ یادیں چاہ کر بھی بُھلائی نہیں جا سکتیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایک دن کوئی شخص تمہارے دل کے زخم بھر دے گا۔" اُن کی آنکھوں میں امید کی روشنی تھی۔ لیکن مرتاض کی آنکھیں اس طرح کی امید سے مکمل محروم تھیں۔ شاید وہ محرومیوں کے ساتھ جینے پر قناعت کر چکا تھا۔

"کیا آپ کو لگتا ہے کہ کوئی میرے جیسے شخص کے ساتھ رہنا چاہے گا؟"

"میں مرتاض حیدر ہوں۔ میرے نصیب میں محبت نہیں ہے۔ میں کرسڈ انسان ہوں۔ لوگ مجھ سے نفرت کر سکتے ہیں۔ صرف نفرت۔" وہ کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح تحفظ کی تلاش میں دادی کے مزید قریب ہوا۔

''تم کرسڈ نہیں ہو۔'' وہ اُس کے بال سہلانے لگیں۔ ''تم تو منتوں مرادوں سے ملنے والے بچے ہو۔ تم سے کوئی نفرت کیسے کر سکتا ہے۔''

''منتوں مرادوں والے بچے کے ساتھ کوئی یوں کرتا ہے؟'' وہ اپنی نیلی شرٹ کے سلیوز موڑتے ہوئے دادی کو اپنے بازو دِکھا رہا تھا۔ گندمی جلد پر موجود جلنے کی نشان عجیب داستان سناتے تھے۔

''میرا کیا قصور تھا دادی؟'' وہ رو دیا تھا۔ ''میں صرف دس سال کا بچہ تھا۔ وہ بچہ جسے اپنے ماں باپ سے صرف محبت چاہیئے تھی۔ اور میں ہی وہ کرسڈ بچہ ہوں جسے اپنے ماں باپ سے محبت کے علاوہ ہر ایک جذبہ ملا۔ نفرت۔ حقارت۔ تذلیل۔ بے حسی۔'' اُس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔

''ماں باپ سے ملنے والی حقارت اور نفرت نے میرا بچپن تباہ کر دیا۔ میں آج بھی شیشے کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو۔۔۔'' وہ ایک پل کو ٹھہرا۔

”مجھے اپنا آپ ایک بزنس مین کے طور پر نظر نہیں آتا۔ بلکہ مجھے آج بھی وہ ڈرا سہما مرتاض نظر آتا ہے جو باپ کی مار اور ماں کی پھٹکار سے بچنے کی خاطر خود کی باتھروم میں لاک کر لیتا تھا۔ آج بھی یہ ٹراما میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔“ آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ لیکن شاید اُس کی زندگی میں موجود جلن اس سب سے کئی گنا زیادہ تھی۔

--------★--------

سفید اور سنہرے امتزاج کے لاؤنج میں قدم رکھو تو کریم رنگ کے کارپٹ پر سنہرے فریم والے شیشے کی میز کے گرد ایک بڑا آدھے گول کی شکل کا سفید صوفہ رکھا تھا۔ جس پر گہرے سبز پینٹ کوٹ میں ملبوس، پچاس کے ہندسے کے قریب ایک مرد بیٹھا تھا۔ دائیں ہاتھ میں اورنج جوس کا گلاس۔ بایاں ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلا رکھا تھا۔ اُن کے بالکل ساتھ جامنی ساڑھی میں تیس برس کے لگ بھگ کوئی خاتون براجمان تھی۔ سلیو لیس بلاؤز۔ ڈھیلے جوڑے میں مقید سنہرے بال۔

چہرے کے گرد لٹکتیں چند آوارہ لٹیں۔ گہری سرخ لپسٹک اور ہم رنگ نیل پالش سے مزین ناخن۔ وہ اپنی بے داغ انگلیوں سے اُس مرد کے کوٹ پر کوئی پیٹرن بنا رہی تھیں۔ دائرہ یا شاید پھندہ۔

وہ اب اُس کے کان کے قریب کوئی سرگوشی کر رہے تھے۔ محبت کی نرم سرگوشی۔ وہ عورت اب مسکراہٹ سجائے اُن کے کندھے پر سر ٹکا گئی۔ فاتحانہ مسکراہٹ۔

عین اسی پل باب کٹ بالوں والی خاتون نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ اپنے سامنے موجود منظر کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے، بغیر کچھ کہے، وہ سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

”تمہاری بیوی سٹھیا گئی ہے۔ آج ہمیں دیکھ کر، کچھ کہے بغیر ہی جا رہی ہے۔“ ساڑھی والی عورت نے اپنے ساتھ بیٹھے آدمی سے کہا۔ لیکن نظریں دلچسپی سے اُس باب کٹ بالوں والی کو دیکھ رہی تھیں۔

"سکون مبارک۔" وہ ہنستے ہوئے اُسے اپنے بازو کے حصار میں لے گئے۔اب وہ کھلکھلاتی ہوئے اُن کی شرٹ کے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔اور وہ نرم سی سرگوشیاں کر رہے تھے۔وہ سرگوشیاں جن پر اُن کی بیوی کا حق تھا۔

وہ عورت سب سے اوپر والی سیڑھی پر ٹھہری۔ایک نظر مڑ کے لاؤنج میں بیٹھے لوگوں کو دیکھا اور پھر سپاٹ چہرہ لیے اپنے کمرے میں آگئیں۔

(ایک ہفتہ قبل)

وہ تھریڈ اینڈ نیڈل کا آفس تھا۔سنہری دروازے کے پار موجود لوگ خوش تھے۔اپنی شادی کے لیے۔کسی ایونٹ کے لیے۔کسی خاص کے لیے۔ریک میں لگے کپڑوں کو ٹرائے کیا جا رہا تھا۔

سنہری دروازے کے اس طرف خاموشی تھی۔عجیب خاموشی۔باب کٹ بالوں والی لاریب کاظمی نے بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔سنہری میز پر سفید کاغذ، پنسل، کلر پنسلز، سکیچز اور نامکمل خاکے تھے۔وہ ایک ڈیزائنر کا آفس تھا۔

ایسی حالت اُس کا حق تھا۔ لیکن پہلی بار اس ڈیزائنر کو ان چیزوں نے بیزار کیا تھا۔ یہ زمرد سے ملاقات والے دن کی بات ہے

موبائل تھرتھرایا تو آنکھوں میں چمک اتری۔ تیزی سے موبائل کی سکرین روشن کی۔ وہاں کچھ انفارمیشن تھی اور ایک لڑکی کی تصویر۔ ذرا قریب سے دیکھو تو وہ لڑکی نتاشہ یوسف جہانگیر تھی۔

اُن کی آنکھیں تیزی سے اُس کی بارے میں موجود انفارمیشن پڑھتی جارہی تھیں۔

نام۔ والد۔ پتہ۔ تعلیم۔ پیشہ۔------۔ منگیتر کے لفظ پر وہ ٹھہریں۔

'شہریار آفندی۔ ایک بزنس مین اور سیاست کا ابھرتا ستارہ۔ نتاشہ یوسف کے بچپن کا دوست۔ چند سالوں پہلے دونوں نے باہمی رضامندی سے منگنی کرلی تھی۔ لیکن کچھ عرصے بعد وہ منگنی ٹوٹ گئی۔ اصل وجہ کسی کو نہیں معلوم۔' وہ غور سے پڑھ رہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"شہریار آفندی۔" اُن کے لب ہلے۔ وہ اُسے یاد کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

پھر اچانک اُن کا چہرہ تاریک پڑا۔

"عائلہ کا شہریار۔۔" منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔

"یہ عائلہ کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔" وہ خود کو یقین دلانا چاہ رہی تھیں۔ کانپتے ہاتھوں سے موبائل اُٹھا کر کسی کو کال ملائی۔

"شہریار آفندی۔ مجھے ساری ڈیٹیلز چاہیئے۔ کچھ مِس نہ ہو۔" اتنا کہا اور کال کاٹ دی۔ وہ اب گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

www.novelsclubb.com

(موجودہ دن)

وہ بیڈ کی پائینتی بیٹھتے ہوئے مردہ آنکھوں سے موبائل کی سکرین دیکھ رہی تھیں۔ اگر قریب جاؤ تو تم اُس سکرین پر نظر آتے لفظ پڑھ سکو۔

"شہریار اسرار آفندی۔۔

اسرار آفندی۔ باپ۔ پاکستانی۔

عائلہ مرات۔ ماں۔ تُرک۔'

اُن کی آنکھیں شل پڑنے لگیں۔

"عائلہ کا شہریار۔" زیرِ لب دہرایا۔

------★-------

رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ رباب کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ بغیر انفارم کیے اتنی دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتی تھی۔ صائمہ بیگم تھوڑی دیر پہلے ہی نیند کی گولی کھا کر سوئی تھیں۔ جلیل صاحب بیٹی کے انتظار میں لاونج میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہے تھے۔ دل گھبرا رہا تھا۔

رباب کو گھر میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ تیزی سے اُس کی جانب بڑھے۔ آنکھوں کے گرد پھیلے مسکارا اور لائینز کی سیاہی، چہرے پر مٹے مٹے آنسوؤں کے نشان اور اُترا ہوا

چہرہ۔وہ ہنستی مسکراتی اور ضد کرتی رباب جلیل نہیں تھی۔وہ تو میدانِ جنگ میں اپنا سب کچھ لُٹا کر ہار جانے والا سپاہی تھی۔

"تم۔۔۔"اُن کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ اُن کی بات کاٹ گئی۔

"میں ساری کشتیاں جلا آئی ہوں۔"وہ ہنسی۔لیکن اِس ہنسی میں بھی کرب چھُپا تھا۔

"کشتیاں جلا کر آئی ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھوں اپنی کشتی جلتی دیکھ کر آئی ہو۔" وہ باپ تھے۔اُس کے چہرے کے تاثرات سمجھ سکتے تھے۔

اُس نے ایک نظر اپنے باپ کو دیکھا۔پھر چہرہ اٹھا کے ہنستی گئی۔کھنکتی ہوئی ہنسی،جو پورے گھر کی دیواروں سے کسی صور کی مانند ٹکرا رہی تھی۔پھر ہنستے ہنستے وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھتی گئی۔ہنسنے کی آواز سسکیوں میں بدل گئی تھی۔عالیشان گھر کی دیواریں وحشت سے اس لڑکی کو ٹوٹتا دیکھ رہی تھی۔

وہ آہستگی سے اُس کے برابر فرش پر بیٹھ گئے۔نرمی سے رباب کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ گرم قطرے اُن کے سفید کلف زدہ کرتے میں جذب ہونے لگے۔

”میں اُسے کبھی حاصل نہیں کر سکتی۔“ایک سفاک تجزیہ۔ جس نے اُس کے ٹوٹے دل کو مزید بکھیر دیا۔

”میں بھول گئی تھی۔یکطرفہ محبت ایک سراب ہوتی ہے۔ جسکے پیچھے بھاگتے بھاگتے ہم خود کو تھکا لیتے ہیں۔ لیکن اِس سفر کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔“اُس کی سسکیاں پورے گھر میں گونج رہی تھیں۔

”بس ایک زندگی بھر کی مسافت ہے۔اور کبھی نہ ختم ہونے والی اذیت۔“ یہ باتیں وہ اپنے باپ سے زیادہ خود کو باور کروا رہی تھی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا رباب۔ تمہارے بابا تمہارے ساتھ ہیں۔“ وہ اُس کی کمر سہلا رہے تھے۔اکلوتی اولاد کے غم نے اُن کو پل بھر میں ہی کمزور کر دیا

تھا۔

"بابا کسی سے کہیں میرا دل نوچ لے۔ بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ جیسے کوئی میرے جسم سے روح کھینچ رہا ہے۔" وہ کراہ رہی تھی۔ تکلیف حد سے سوا تھی۔ محبت شدید تھی تو دل بھی شدید زخمی ہوا تھا۔ ہر زخم پھر سے ہرا ہو رہا تھا۔

"میں اُس کے بغیر کیسے رہوں گی بابا۔ میں مر جاؤں گی۔ میرے وجود میں رباب جلیل سے زیادہ مرتاض حیدر بستا ہے۔ میں کیسے رہوں گی اُس کے بغیر۔" وہ چیخ رہی تھی۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ لب کپکپانے لگے تھے۔ وہ ریزہ ریزہ ہو رہی تھی۔ رباب جلیل کی ذات ڈھے رہی تھی اور اپنے ساتھ جلیل صاحب کو بھی تباہ کر رہی تھی۔ وہ باپ تھے۔ بیٹی کا غم برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"مت رو میری بیٹی۔" وہ خود روتے ہوئے اُسے چپ کروا رہے تھے۔ "تمہیں مرتاض چاہیئے نہ۔ میں جاؤں گا اُس کے پاس۔ میں مناؤں گا اُسے۔"

www.novelsclubb.com

اس بات پر وہ ایک پل کو رُکی۔ سر اُٹھا کر اپنے باپ کے چہرے کو دیکھا۔ وہ اچانک ضعیف لگنے لگے تھے۔

''آپ جائیں گے اُس کے پاس؟''

''ہاں میں جاؤں گا۔ اپنی شہزادی کے شہزادے کو لینے۔ اپنی بیٹی کی فیری ٹیل کو سچ کرنے۔'' دونوں ہاتھوں میں اُس کا چہرہ تھامے وہ امید دلا رہے تھے۔

'حقیقت میں کسی لڑکی کے لیے سفید گھوڑے پر بیٹھا کوئی شہزادہ نہیں آتا۔' رباب کے ذہن میں نتاشہ کا کہا جملہ گونجا۔ ایک لمحہ۔ صرف ایک لمحہ لگا تھا۔ اور رباب جلیل کا نقطہ نظر بدل گیا تھا۔

''فیری ٹیل صرف کہانیوں میں اچھی لگتی ہے۔ حقیقت میں نہیں۔'' وہ اب بے دردی سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تمہاری فیری ٹیل کو سچ کرنے کے لیے اگر تمہارے باپ کو مرتاض کے پاؤں بھی پکڑنے پڑے تو وہ اُس سے بھی گریز نہیں کرے گا۔"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ آپ کہیں نہیں جائیں گے۔" وہ اپنے بابا کو کندھوں سے تھامے تنبیہہ کر رہی تھی۔ "مجھے ہر گز یہ منظور نہیں کہ میرے بابا میری خاطر کسی لڑکے کے پاؤں پکڑیں۔ پھر چاہے وہ لڑکا رباب جلیل کی محبت ہی کیوں نہ ہو۔ اپنی خوشی کی خاطر میں اپنے باپ کو نہیں جھکا سکتی۔"

"تمہاری خاطر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں رباب۔ یقین کرو مرتاض کی منت کرنے میں بھی مجھے کوئی شرم نہیں آئے گی۔"

www.novelsclubb.com

"اس سب کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"رباب جلیل آج اپنے پورے ہوش و حواس میں مرتاض کی محبت سے دستبرداری کا اعلان کرتی ہے۔" زخمی دل کرچی کرچی بکھر گیا۔ سینے میں درد اٹھا اور پھر

پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ وہ تکلیف و کرب کا مجسمہ بنی اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔

وہ لڑکی جسے لوگ شوخ، چنچل، ضدی اور بچکانہ شخصیت سمجھتے تھے۔ لیکن وہ نازک دل کی لڑکی تھی۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو دیتی تھی۔ جلد بازی میں فیصلے کر جاتی تھی۔ یکطرفہ محبت کی خاطر خود کو برباد کر جاتی تھی۔ خود ٹوٹ کر بکھر سکتی تھی۔ لیکن اپنے باپ کا جھکا سر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ رباب جلیل تھی۔۔۔۔

"میں اپنی ناکام محبت سے دستبردار ہوتی ہوں۔" وہ پلٹ گئی۔

شکستہ قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اُس کا مجسمہ ڈھے گیا۔ دل کی جگہ سے خون رِستا محسوس ہوا۔ ٹوٹے دل کی کرچیاں پورے بدن کو چیر رہی تھیں۔ تکلیف حد سے سوا تھی۔

اور منتخب کی گئی کیا وہ شکوہ کر سکتی تھی؟ یہ تکلیف اس نے خود اپنے لیے چُنی تھی۔ چیزوں پر شکوہ کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ صرف صبر کا راستہ ہوتا ہے۔

--------★-------

سیاہ سرمئی امتزاج کے اس کمرے میں شدید وحشت ٹپک رہی تھی۔ کمرے کے عین وسط میں موجود بیڈ پر لیٹے وجود کی بھوری آنکھیں سائیڈ لیمپ کی سنہری روشنی میں چمک رہی تھیں۔ بازوؤں کا تکیہ بنا کر لیٹا مرتاض چھت کو گھورتے ہوئے سوچوں میں غرق تھا۔ دادی کی باتوں نے اُسے بے چین کیا تھا۔ لیکن زیادہ ڈسٹرب وہ ماضی کی تلخ یادوں سے ہوا تھا۔

سامنے دیوار پر موجود گھڑیال کی سوئیاں بارہ کے ہندسے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ماضی کو یاد کرنا اُس کے بے خوابی کے مسئلے کو ہمیشہ شدید کر دیتا تھا۔ ایک دم اُٹھتے ہوئے اُس نے سائیڈ ٹیبل کی سب سے نچلی دراز کھولی۔ سیاہ گلاب کی کڑھائی والا سفید رومال وہی رکھا ہوا تھا۔ مرتاض نے وہ رومال باہر نکال کر دراز بند کر دی۔ اضطراب کے لمحوں میں یہ رومال اُس کے

www.novelsclubb.com

لیے سکون کا ذریعہ تھا۔اِس کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کہیں آس پاس ہی ہوں۔ مرتاض کے پاس۔اُس کے دل کو سکون دیتی ہوئی۔

بہت سوچتے ہوئے اُس نے اپنے موبائل کی سکرین روشن کی۔کانٹیکٹ لسٹ میں نتاشہ کے نمبر پر اُس کی اُنگلی ٹھہر گئی۔وہ اُسے کال کرنا چاہتا تھا۔لیکن یہ سوچ کر اب وہ اُسے میسج رُک گیا کہ اِس وقت کسی بھی لڑکی کو کال کرنا مناسب نہیں لگتا۔ کر رہا تھا۔

"کیا میں کبھی کبھار بزنس کے علاوہ بھی آپ کو میسج کر سکتا ہوں؟

مرتاض حیدر۔"میسج سینڈ ہو گیا تھا۔

اپنے گھر کے ٹیرس پر بیٹھی نتاشہ کا فون تھرتھرایا۔گرم کافی کا مگ شیشے کی میز پر رکھتے ہوئے اُس نے موبائل اُٹھایا۔ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر رینگ گئی۔

"اُس دن ریسٹورنٹ میں اتنی باتیں کرنے کے بعد آپ کو کیا لگتا ہے؟ ہم صرف بزنس کی باتیں کرتے ہیں؟"

چیٹ میں آئے میسج کو پڑھ کر وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"اجازت لینا ضروری تھا۔" ایک سطر کا جواب۔

"میرا بزنس ڈے رات آٹھ بجے ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر آپ کبھی مجھے میسج کریں تو وقت کا خیال رکھیں۔"

"یعنی میں آپ کو اِس وقت میسج نہ کروں؟" ایک محتاط سا سوال۔

"آٹھ بجے کے بعد میں بزنس کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرتی۔" ایک ہاتھ سے ٹائپ کرتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے مگ پکڑے کافی کے گھونٹ لینے لگی۔ چہرے کے دونوں اطراف ڈھیلی پونی سے نکلتی لٹیں جھول رہی تھیں۔

"اچھا۔ پھر وہ لڑکی جو رات گئے میرے گھر بوٹینیکل گارڈن کا آئیڈیا لے کر آئی تھی۔ وہ نتاشہ یوسف نہیں تھی؟" ہنستے ہوئے میسج سینڈ کیا گیا۔

ٹیرس پر بیٹھی نتاشہ میسج پڑھتے ہوئے جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ کیا ضرورت تھی رات کو مرتاض کی طرف جانے کی۔ اُفف۔ وہ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔

جب کافی دیر تک نتاشہ کی طرف سے کوئی "Are you there?" ریپلائے نہ آیا تو مرتاض نے خود ہی میسج کر دیا۔

"میں آپ کی بات کا برا بھی منا سکتی تھی؟"

"برا مان گئی ہیں تو معذرت۔ اگر نہیں تو شکریہ۔" بائیں مٹھی میں رومال کو بھینچتے ہوئے ٹائپ کیا۔ میسج پڑھتے ہوئے وہ دل کھول کر مسکرائی۔

"ہم دونوں معذرت اور شکریہ کے تکلف سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔" اب مسکرانے کی باری مرتاض کی تھی۔ جانے کتنی ہی بار وہ اس ایک سطر کو پڑھے گیا۔ نتاشہ کے چھوٹے سے جملے بھی اُس کو کمفرٹ دیتے تھے۔ جانے یہ کیسا سنگم تھا۔

"اب ہم دونوں کس مقام پر کھڑے ہوتے ہیں؟" کچھ سوچ کر لکھا۔

"بزنس پارٹنر یا دوست؟" وہ جواب جاننا چاہتا تھا۔ آخر نتاشہ یوسف کی زندگی میں مرتاض حیدر کی کیا حیثیت تھی۔

دونوں ہی نہیں۔" جواب فوراً آیا تھا۔ "

"ہم دونوں بزنس پارٹنر سے تھوڑا زیادہ اور دوستوں سے تھوڑا کم ہیں۔" وہ انہماک سے میسج لکھ رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں میں موبائل کی سکرین کا عکس واضح نظر آ رہا تھا۔

اِس زیادہ اور تھوڑے کے درمیان کیا ہے؟" سوال سادہ تھا۔ جواب اہم تھا۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''تم میرا کمفرٹ زون ہو۔'' مرتاض نے میسج پڑھا۔وہ آپ سے تم پر آگئی تھی۔اُس کے زخمی دل پر کسی نے ٹھنڈی پھوار برسا دی۔رات کے کھانے پر ہوئی تلخی کا اثر زائل ہونے لگا تھا۔

''میں تم سے کسی بھی ججمنٹ کے خوف کے بغیر بات کر سکتی ہوں۔مجھے پتہ ہے تم مجھے جج نہیں کروگے۔میں بولتی ہوں اور تم سنتے جاتے ہو۔''اگلا میسج۔پھوار کی ٹھنڈک مزید بڑھی۔وہ کسی سحر کے زیرِاثر جا رہا تھا۔بھلا چند سادے جملے بھی کسی کو سحر زدہ کر سکتے ہیں؟

''لیکن میں تمہارا کمفرٹ زون نہیں ہوں۔''نتاشہ کے اگلے میسج نے اُس کا سحر توڑا۔پھوار رُک گئی تھی۔

ٹیرس پر بیٹھی نتاشہ نے ''آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے؟'' تیزی سے میسج ٹائپ کیا گیا۔ مسکراتے ہوئے میسج پڑھا۔وہ ہمیشہ سوال کرتا تھا۔مختصر سوال۔اور وہ ہمیشہ جواب دیتی تھی۔طویل جواب۔

”کچھ جواب انسان کو خود ڈھونڈنے ہوتے ہیں۔“

”لیکن میرے ہر سوال کا جواب صرف آپ کے پاس ہوتا ہے۔ پھر میں خود کیوں ڈھونڈوں؟“ ایک اور سوال۔ وہ ہنستی چلی گئی۔ چودھویں کے چاند نے آسمان کی بلندی سے اِس سیاہ بالوں والی لڑکی کو ہنستے ہوئے دیکھا تو بادلوں میں چھپ گیا۔ وہ ساحرہ تھی۔ دیکھنے والوں کو سحر زدہ کر دیتی تھی۔

”تم مجھ سے باتیں چھپاتے ہو مرتاض۔ تمہیں ڈر ہے میں تمہیں جج کروں گی۔ تم مجھ سے فلٹر لگا کر بات کرتے ہو۔ بھلا اپنے کمفرٹ زون شخص سے کوئی فلٹر لگا کر بات کرتا ہے؟“ جواب آ گیا تھا۔ مرتاض کے چہرے پر حیرت در آئی۔ کیا وہ لڑکی اُسے اِس قدر نوٹ کرنے لگی تھی۔

”اگر میں کہوں کہ میں کم بولتا ہوں؟“

”میں کہوں گی یہ سراسر جھوٹ ہے۔ تم صرف مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔“

"اپنے کمفرٹ زون میں انسان ضرورت سے زیادہ بولتا ہے۔اسکا یہی مطلب ہے کہ میں تمہارا کمفرٹ زون نہیں ہوں۔" مرتاض کو اُس سے خوف آیا۔وہ لڑکی اتنی دور ہونے کے باوجود اس کے وجود کے تہیں کھول کر اُس کے سامنے رکھ رہی تھی۔وہ کیا تھی؟ نتاشہ یوسف؟ یا مرتاض حیدر کا آئینہ؟ وہ فیصلہ نہیں کر پایا۔

"کچھ باتیں آمنے سامنے کرنی چاہیئیں؟ نہیں؟" کافی دیر سوچنے کے بعد میسج کیا۔

"ملاقات کا کہہ رہے ہیں؟" اب وہ سوال کر رہی تھی۔جانتے بوجھتے ہوئے۔شاید وہ اُسے تنگ کرنا چاہتی تھی۔

"اگر میرا جواب ہاں ہو؟" ایک اور سوال۔وہ کیوں ہر جواب کو سوالیہ بنا دیتا تھا۔وہ جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔

"اگر یہ ڈیٹ کی آفر ہے تو میری طرف سے انکار ہے۔اگر نارمل ملاقات چاہتے ہیں تو ہاں ہے۔" وہ اتنی رنگین باتیں کب سے کرنے لگی تھی؟ کیا یہ مرتاض کا اثر تھا؟ یا زیادہ کافی پینے کا؟ وہ خود بھی نہ سمجھ سکی۔

”پھر میں ہاں سمجھ رہا ہوں۔“ وہ ہنستے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔ یہ لڑکی اُسے بِن بات مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

”جب پھیلتی ہیں زرد کرنیں

رنگ و خوشبو کے درمیان

رفتار کے متلاشی کچھ قدم

ہوا کو چیرتے چند بدن

آتے ہیں وہاں ہر دم“

نتاشہ کے ابھی آئے میسج کو وہ نا سمجھی سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ ہے ہمارے ملنے کا پتہ۔ اس میسج کو ڈی۔کوڈ کرنا تمہارا کام ہے۔ ہم دو دن بعد یہیں ملیں گے۔ بائے۔“ اُس کے پوچھنے سے پہلے ہی وہ دوسرا میسج کر کے آف لائن ہو گئی۔

”یہ کیسا میسج ہے؟“ وہ سوچتا رہ گیا۔ کیا وہ صحیح وقت پر میسج ڈیکوڈ کر لے گا؟

--------★--------

رات گہری ہو رہی تھی۔ چاند بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ ہر سو خاموشی اور اندھیرے کا راج تھا۔ رات سیاہ تھی۔ لیکن شہریار آفندی کو یہ رات سیاہ ترین لگی۔ سرخ آنکھوں سے وہ چھت کو گھور رہا تھا۔ دایاں ہاتھ موڑ کر سر کے نیچے رکھے، بائیں ہاتھ کو بیڈ سے ذرا نیچے لٹکائے۔ پاس پڑی ایش ٹرے سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑوں سے بھر چکی تھی۔ اُس کے سر کے قریب وہی آسمانی رنگ کا فریم اور بھورا کاغذ تھا۔ عائلہ کی تصویر اور اُس کے الفاظ۔ یہی تو شہریار آفندی کا کل اثاثہ تھے۔

”کیا میں کبھی خود سے نظریں ملا سکوں گا؟“ وہ اپنے آپ سے مخاطب تھا۔ یا شاید اپنی ماں کی تصویر سے۔

www.novelsclubb.com

"اٹھارہ سالوں سے میں اسی ایک آگ میں جلتا رہا کہ میرے باپ نے میرے ماں کو دھوکہ دیا۔ میری ماں کی دوست نے میری ماں کو دھوکہ دیا۔ ہر کسی نے صرف دھوکہ دیا۔۔۔" بائیں ہاتھ میں جلتا سگریٹ لبوں سے لگایا۔ ایک گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے دھواں باہر چھوڑ دیا۔

"اب مڑ کے دیکھوں تو دھوکہ کہیں نہیں ہے۔ جو ہے وہ اتنا شفاف ہے کہ میری آنکھیں دھندلی پڑنے لگتی ہیں۔" وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور ہاتھ میں موجود سگریٹ مٹھی میں بھینچ لیا۔ ہتھیلی جل گئی۔ لیکن دل کی جلن کسی طور کم نہ ہوئی۔

"اب میں کیسے اپنے باپ اور اُن کی بیوی سے جا کر کہوں کہ میں اتنے سال تک جس وجہ کے لیے آپ سے نفرت کرتا رہا۔۔۔ وہ وجہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔"

یکدم وہ چیخا۔ خوف سے۔ غصے سے۔ صدمے سے۔

"صرف آپ سے میں نے سچے دل سے محبت کی تھی۔ کسی بھی غرض سے پاک محبت۔ آپ میری ماں تھیں۔ میری پروٹیکٹو شیلڈ۔۔" کانپتے ہاتھوں سے فوٹو فریم اٹھایا۔

"آپ نے مجھے پروٹیکٹ کرنا تھا۔ لیکن آپ نے میری زندگی ایک جھوٹ بنادی۔ ایسا جھوٹ جو میرے کندھوں پر کسی دیو کی طرح بیٹھا ہے۔ اور ہر گزرتے لمحے میرے کندھوں پر بوجھ بڑھتا جارہا ہے۔" فریم پر اُس کی گرفت مضبوط ہوئی۔

"I hate you Ayla Afandi!"

شدت سے غراتے ہوئے وہ فریم دیوار پر دے مارا۔ کانچ ٹوٹ گیا۔ لیکن اُس کا دل بھی ٹوٹا تھا۔ فریم تو نیا آسکتا تھا لیکن دل کا کیا؟

"I hate you..."

وہ ایک بار پھر چیخا۔ لیکن دل کی جلن کسی طور کم نہیں ہوئی۔ ہر لمحہ اُس پر بھاری تھا۔ کندھوں پر بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ آنکھوں کی سرخی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ غصے میں تھا۔ بے بس تھا۔ شاید زخمی بھی۔

کئی لمحے بے دھیانی سے فریم کے پرزے دیکھتے ہوئے وہ بوجھل قدموں سے اُٹھا اور فریم کے قریب گھٹنے موڑے بیٹھ گیا۔ شاید کوئی کانچ اُس کے گھٹنے میں چبھ گیا۔ لیکن وہ اِس سے بے نیاز اپنی ماں کی تصویر اُٹھا رہا تھا۔ کانچ کے ننھے ذرے اُس کی انگلیوں کے پوروں کو بری طرح زخمی کر گئے۔ خون کی سرخ دھاریں اُس نیلی آنکھوں والی عورت کی تصویر کو رنگ رہی تھیں۔ لیکن فکر کس کو تھی؟

www.novelsclubb.com

وہ اب تصویر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ حسرت سے۔ بے بسی سے۔ تکلیف سے۔ محبت سے۔۔۔

"میں آپ سے نفرت نہیں کرتا۔" اُس کے ہونٹ کپکپائے۔

”میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔بے پناہ محبت۔“ ہاتھ لرزے تھے۔وہ اُس کی ماں تھی۔شہریار چاہ کر بھی اُس سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔بھلا ماؤں سے بھی کوئی نفرت کر سکتا ہے؟

”میں آپ کو یاد کرتا ہوں۔آپ واپس نہیں آسکتیں؟“ وہ ایسی خواہش کر رہا تھا جو ناممکنات میں سے تھی۔اُس جہان جانے والے واپس نہیں آیا کرتے۔پھر چاہے آپ روئیں، گڑگڑائیں یا ایڑیاں رگڑیں۔اُس جہان والے اِس جہان نہیں آتے۔

اپنی ماں کی تصویر سینے سے لگائے وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا۔اُس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ہر سانس بھاری محسوس ہوتی تھی۔اس وقت وہ تیس سالہ مرد نہیں۔بلکہ تین سال کا وہ معصوم بچہ تھا جو اپنی ماں کی آغوش کے لیے ترس رہا تھا۔اُسے کسی بھی قیمت پر اپنی ماں چاہیئے تھے۔

نیلے رنگ کی دیواروں نے رنج سے اپنے مکین کو دیکھا۔وہ بُری طرح سسک رہا تھا۔دیواروں نے نظریں پھیر لیں۔دیوار پر چمکتی سلور گھڑی نے اپنے بازو پھیلا دیے۔

(پونے تین بج چکے تھے۔) گھڑی کی سوئیاں اس شخص کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر تسلی دینا چاہتی تھیں۔ اُسے چپ کروانا چاہتی تھیں۔ لیکن وہ بھول گئی تھیں۔ روتے معصوم بچوں کو صرف اُن کی ماں کا لمس ہی چپ کروا سکتا ہے۔

------★-------

اگلی صبح چمکدار تھی۔ دسمبر کے وسط کے باوجود سورج کی کرنیں لاہور شہر کو سنہرا تاثر دی رہی تھیں۔ سوٹڈ بوٹڈ لوگ، سڑک پر گاڑیوں کا ہجوم، سکول کالج کی بسیں اور ان سب کا شور۔ ایسے میں ایک آدمی اپنے آفس میں بیٹھا، گلاس وال سے باہر دیکھتے ہوئے اپنے سامنے موجود ٹیبل پر پین بجا رہا تھا۔ ٹک۔ ٹک۔ ٹک۔۔۔ ایک اور آواز اس شور میں مل گئی۔

سرمئی کوٹ کرسی کی پشت پر لٹکائے۔ سفید شرٹ۔ جس کے پہلے دو بٹن کھلے ہوئے تھے۔ مرتاض حیدر گہری سوچ میں تھا۔ پھر ایک دم وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ باہر ڈیسک پر کام کرتی ماریہ کو کال کی۔

www.novelsclubb.com

"یس باس؟" وہی مونوٹون لہجہ۔

"نتاشہ یوسف نے ڈرافٹ فائنل کر دیا؟"

"جی ہاں۔ ڈرافٹ اپروو ہو گیا ہے۔ اُن کے اسسٹنٹ نے مجھے ای۔ میل کر دی ہے۔" وہ اپنے سامنے پڑی فائلوں کو ترتیب دے رہی تھی۔

"اسسٹنٹ نے فائنل کیا ہے؟" ایک غیر ضروری سوال۔

"یقینی بات ہے کہ نتاشہ میڈم نے ہی فائنل کیا ہو گا۔ لیکن میل اسسٹنٹ نے کی ہے۔ آفس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ نہیں؟" ولید والے واقعے کے بعد اُن کے درمیان فارمیلیٹی کافی کم ہو گئی تھی۔

تم نتاشہ کو کال کرو۔ اُن سے خود اپروول لو۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔"

ماریہ نے کان سے فون ہٹا کر اپنے سامنے کیا۔ جیسے کہہ رہی ہو 'باس کب سے اتنے تردد کرنے لگے'۔

”میں ضرور کال کرتی۔ لیکن نتاشہ میڈم دو دن کے لیے آف پر ہیں۔اس لیے وہ کسی قسم کی بزنس ریلیٹڈ کال ایسیپٹ نہیں کریں گی۔اُن کا سارا کام اُن کا اسسٹنٹ دیکھے گا۔“اسسٹنٹ پر زیادہ زور دیا۔

”تم کال کرو۔اور کہو کہ فہد فریشی تمہیں ٹائم سے ریپلائی نہیں کر رہا۔اس وجہ سے کافی اہم کام رُکے ہوئے ہیں۔“

سوری باس۔میں جھوٹ نہیں بول سکتی۔“کہتے ساتھ ہی کھٹاک کال کاٹ دی۔(باس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔)

”السلام علیکم نتاشہ میڈم !آپ کو ڈسٹرب کرنے کے لیے معذرت۔“

تھوڑی دیر بعد ماریہ ندیم اپنے باس کے آفس میں اُس کے سامنے کھڑی نتاشہ کو کال کر رہی تھی۔ آگے سے نتاشہ کچھ کہہ رہی تھی۔ ہاتھ میں موجود فون پر سپیکر آن تھا۔ (باس کا دماغ واقعی خراب ہو گیا ہے۔) وہ صرف سوچ ہی سکی۔

"ہوٹل پراجیکٹ کے ڈرافٹ کے حوالے سے کچھ پوچھنا تھا۔ آپ کے اسسٹنٹ کی ای۔ میل میں کافی چیزیں کلیئر نہیں ہیں۔۔۔" ایک پل رُک کر اپنے باس کو دیکھا۔ مرتاض نے سر ہلایا۔ جیسے کہہ رہا ہو 'گو آہیڈ۔'

"اگر آپ خود ایک دفعہ سب چیزیں کلیئر کر دیں تو بہت مہربانی ہو گی۔"

"فہد اتنا غیر ذمہ دار تو نہیں ہے۔" سپیکر سے اُس کی آواز اُبھری۔ "میں دوبارہ سے میل کرواتی ہوں۔ ڈونٹ وری۔"

"تھینک یو۔" ماریہ نے کال کاٹ کر مرتاض کی جانب دیکھا۔ (اب ہو گئی تسلی؟)

"گُڈ جاب ماریہ۔آپ اب جا سکتی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ آن کرنے لگا۔

"یہ پہلی اور آخری دفعہ تھا۔" وہ کال پر بولے جانے والے جھوٹ کی بات کر رہی تھی۔مرتاض نے چہرہ اوپر کیا۔

ایک سیکرٹری ہمیشہ اپنے باس کی مرضی سے کام کرتی ہے۔آفس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔نہیں؟" وہ بڑے آرام سے اُس کے الفاظ اُسے ہی لوٹا رہا تھا۔

ماریہ کے سر پہ لگی تلووں پر بجھی۔اُس کے باس کا دماغ واقعی اُلٹ گیا تھا۔اس لیے بحث کرنے کے بجائے وہ آفس سے نکل آئی۔

-------★-------

تھوڑی دیر بعد وہ پھر مرتاض کے آفس میں موجود تھی۔لیکن اس بار اُس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔کچھ خاص۔

"ای۔ میل اتنی جلدی آگئی؟" لیپ ٹاپ سے نظریں اُٹھائے بغیر پوچھا۔

"ای- میل سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

ابھی ضبط کے امتحان اور بھی ہیں۔۔۔"

شعر کو اپنے انداز سے مروڑتے تروڑتے ہوئے کہا گیا۔ مرتاض نے ادب کی توہین پر واقعی بہت ضبط سے چہرہ اُٹھایا۔

"یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟" کرسی کے پشت سے ٹیک لگالی۔ نظریں ماریہ پر مرکوز تھیں۔

"اپنی شادی کی دعوت دینے آئی ہوں۔" ہلکے گلابی رنگ کا کارڈ اُس کی میز پر رکھا۔

"مجھے معلوم ہے آپ نہیں آئیں گے۔ لیکن میں نے اپنا فرض پورا کیا۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"میں نہیں آؤں گا۔" وہ واپس لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیکن دروازہ کھولتی ماریہ ایک دم واپس مڑی۔ چہرے پر عجیب مسکراہٹ تھی۔

''نتاشہ میڈم آرہی ہیں۔''اور اس نام پر اُس نے جھٹکے سے سر اُٹھایا۔ماریہ کا شک سچ میں بدلنے لگا۔ باس کا دماغ واقعی خراب ہو گیا تھا۔ لیکن اس بار وجہ ایک لڑکی تھی۔

''وہ کیوں آئیں گی؟''اُس کی آنکھوں میں اب چیلنج تھا۔

''کیونکہ اُن کے اسسٹنٹ نے انہیں شادی کا کارڈ دیا ہے۔انہوں نے آنے کی حامی بھرلی ہے۔''مرتاض کے بدلتے تاثرات نے ماریہ کی مسکراہٹ مزید گہری کردی۔

''تم نے کارڈ فہد قریشی کو کیوں دیا۔۔۔''وہ بولتے ہوئے رُکا۔کسی خیال کے تحت آنکھیں سکیڑیں۔

www.novelsclubb.com

"ایک منٹ۔۔۔۔ تم فہد قریشی سے شادی کر رہی ہو۔ ہیں ناں؟" ہاتھ تھوڑی تلے جمائے وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔ لیکن اس اچانک حملے پر وہ جھینپ گئی۔

"اوہ گاڈ۔۔۔۔" وہ سر پیچھے پھینک کے ہنستا جا رہا تھا۔ ماریہ شرمندہ ہوئی۔ (کیا ضرورت تھی باس کو کارڈ دینے کی۔) وہ دل کھول کر پچھتائی۔

"آپ کچھ زیادہ ہی نہیں ہنس رہے؟" آنکھیں سکیڑیں سوال کیا۔

"میں نے کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا۔ یقیناً یہ ہنسی کسی اور کی وجہ سے ہے۔ کوئی خاص۔ یا بہت خاص۔" وہ اپنی شرمندگی کا بدلہ لے رہی تھی۔ لیکن مرتاض کھانستے ہوئے سیدھا ہوا۔

"تم اپنے باس پر شک کر رہی ہو؟"

"مجھے یقین ہے۔" وہ اب دروازہ کھول رہی تھی۔

"میں نے تمہیں جانے کا نہیں کہا۔" وہ اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"یہاں بیٹھ جاؤ۔" حکم صادر کیا۔ وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔

-------★-------

تھریڈ اینڈ نیڈل کی بوتیک میں سفید جوگرز نے قدم رکھے۔ سفید ٹی شرٹ، سیاہ لیدر جیکٹ، سیاہ جینز اور کندھے پر لٹکتا ایک چھوٹا سا بیگ۔ سفید دیواروں نے حیرت سے نووارد کو دیکھا۔ لیڈیز بوتیک میں آدمیوں کا کیا کام؟ لیکن وہ ٹھہرا سدا کا بے نیاز۔

وہ سنہری دروازے کے پاس رکا۔ "لاریب کاظمی۔" نام پڑھتے ہی اُس کی حلق میں تلخی گھل گئی۔ وہ نام برا نہیں تھا۔ لیکن شاید اُس سے جڑی یادیں تلخ تھیں۔ زہر سے زیادہ تلخ۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" بوتیک میں کام کرتی کسی اسسٹنٹ نے پوچھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"مجھے لاریب کاظمی سے ملنا ہے۔" ایک بار بھی نظر اُٹھا کر اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو نہیں دیکھا۔

"آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ میں میم کو انفارم کر دیتی ہوں۔" اُس کا اشارہ صوفے کی جانب تھا۔

"مجھے آپ کی میم سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" لہجہ سخت ہوا تھا۔

"اپنی میم سے کہیں حمدان ملنے آیا ہے۔" نظریں اٹھا کر لڑکی کی جانب دیکھا۔ وہ ان آنکھوں میں موجود آگ دیکھ کر لرز گئی۔

عین اسی پل سنہری دروازہ کھلا۔ باب کٹ بالوں والی خاتون سامنے آئی۔ اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ حمدان اور لاریب۔ لیکن تم دیکھو تو لگے گا کہ آمنے سامنے عکس کھڑے ہیں۔

www.novelsclubb.com

''حمدان۔'' وہ اُس کے نام سے واقف تھیں۔ باخدا وہ اُسے پہچانتی تھیں۔ لڑکے کی آنکھوں میں خوشی کی رمق نظر آئی۔ جسے وہ جلد ہی چھپا گیا۔

''اندر چلیں۔ یا یہیں بات کریں گی؟'' وہ چاہ کر بھی لہجہ سخت نہ رکھ پایا۔

''آجاؤ۔'' وہ اُسے راستہ دے رہی تھیں۔ وہ آفس کے اندر آگیا۔ سنہری دروازہ بند ہوا۔ لیکن اپنے پار حیرت سے تکتے سٹاف کو چھوڑ گیا۔

--------★-------

''لوگ شادی کیوں کرتے ہیں؟'' وہ اپنے سامنے بیٹھی ماریہ سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟''

''یقینی بات ہے۔ اس آفس میں صرف ہم دو لوگ ہیں۔ اور شادی صرف تمہاری ہو رہی ہے۔'' وہ بدمزہ ہوا۔

''آپ کی بھی شادی ہو جائے گی۔'' وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گئی تھی۔ لیکن مرتاض کے تاثرات دیکھ کر واپس سنجیدہ ہو گئی۔

''شادی کرنے کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ سنگل رہ کر جو خواہشات ادھوری رہ گئیں۔ جو خواب پورے نہ ہو سکے۔ کچھ چیزیں جو حاصل نہ ہو سکیں۔ وہ ہم شادی کے بعد اپنے سپاؤز کے ساتھ حاصل کر لیں گے۔'' ایک نظر اٹھا کر اپنے باس کو دیکھا۔ وہ توجہ سے اُسے سن رہا تھا۔

یعنی سنگل لوگوں کو ہر مسئلے کا حل شادی لگتا ہے۔ ٹاکسک پیرنٹ ہو یا ٹاکسک سبلنگز۔ بے وفا دوست ہو یا احساسِ کمتری۔ آزادی کی خواہش ہو یا خوابوں کی تعبیر۔ ہر چیز کا حل شادی لگتی ہے۔ لیکن۔۔۔''

''کوئی کسی کے خواب پورے نہیں کرتا۔'' مرتاض نے اُس کی بات مکمل کر دی۔

''سپاؤز ہو یا والدین، سبلنگز ہو یا دوست، کوئی آپ کے خواب پورے نہیں کر سکتا۔ وہ صرف سہارہ بن سکتے ہیں لیکن اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے آپ کو

خود جان مارنی پڑتی ہے۔" دائیں انگوٹھے سے میز کے کونے کو کھرچتے ہوئے وہ اپنے دھیان میں بول رہا تھا۔

"ایگزیکٹلی!" ماریہ نے سر ہلایا۔

"پھر لوگ شادی کیوں کرتے ہیں؟" سوال وہیں تھا۔

"اچھے ہم سفر کے لیے۔" ایک وقفہ۔ "خواب ہم پورے کر سکتے ہیں۔ لیکن ساتھ چلنے والا اچھا ہو تو مشکل سفر بھی آسان لگنے لگتا ہے۔"

"اچھا ہمسفر کیسا ہوتا ہے؟"

"جو آپ کا کمفرٹ ہو۔ جس سے بات کرتے ہوئے آپ کو خوف نہ آئے۔ جس کے سامنے آپ فلٹر فری ہو۔ جو ساتھ نبھائے، چاہے سفر خاردار ہی کیوں نہ ہو۔"

فہد قریشی اچھا ہمسفر ہو گا؟" جانے کیوں وہ یہ سوال کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ دونوں تو صرف بزنس کی بات کرتے تھے۔ شاید آج وہ کسی تلاش میں تھا۔

"ہاں۔" یک لفظی جواب۔ لیکن یہ ایک لفظ ہزار دلیلوں پر بھاری تھا۔

"کیوں؟" وہ اب آنکھیں موند گیا تھا۔ سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا۔

"ولید لغاری والے واقعے کے بعد میں نے فہد کو کال کی تھی۔ ہر بات، ہر چیز میں نے اُسے بتادی تھی۔ فلٹر فری۔ وہ میرا کمفرٹ زون بن گیا تھا۔"

(ایک ماہ پہلے)

اپنے کمرے میں روتے ہوئے وہ فہد کو کال ملا رہی تھی۔ پہلی بیل پر کال پِک کر لی گئی۔

"ہیلو۔" فہد کی آواز اُس کے کانوں میں پڑی اور وہ زارو قطار روتی گئی۔ یہ اُس کا فلٹر فری ورژن تھا۔

"ولید لغاری۔۔۔ آفس میں۔۔" اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ لیکن وہ کانپتی آواز سے ہر بات اُسے بتاتی گئی۔

www.novelsclubb.com

"مجھے لگتا ہے میں ناپاک ہوں۔۔۔" رونے میں شدت آگئی تھی۔

"تم قیمتی ہو ماریہ۔ صرف ایک حادثے کی وجہ سے خود کو ڈی گریڈ مت کرنا۔ تم قیمتی ہو۔" وہ بولا تو صرف اتنا۔

ماریہ نے دم سادھ لیا۔ اس سب کے باوجود بھی وہ اُسے قیمتی کہہ رہا تھا۔ وہ ورک پلیس ہراسمنٹ کا شکار ہوئی تھی۔

"تم قیمتی ہو۔ تم نے اپنے باس کو ہراسمنٹ کے بارے میں بتایا۔ تم نے آواز اُٹھائی۔ تم قیمتی ہو۔" وہ دم سادھے اُسے سن رہی تھی۔ فہد قریشی اپنے لفظوں سے اُس کی تلخ زندگی میں چاشنی گھول رہا تھا۔

"ناپاک اور غلیظ تو وہ مرد ہیں جو پبلک پلیس پر موجود عورت کو اپنی پراپرٹی سمجھتے ہیں۔ جنہیں خوفِ خدا نہیں ہے۔ جو مرد خدا کی بنائی حدود توڑتے ہیں وہ غلیظ ہیں۔" وہ اُس کے زخمی دل پر مرہم رکھ رہا تھا۔

فہد قریشی، ماریہ ندیم کا کمفرٹ زون تھا۔ وہ اس بات کو جی جان سے مان چکی تھی۔

حال۔ مرتاض حیدر کا آفس)(

"جو لوگ کمفرٹ زون بن جائیں؟" مرتاض کے لبوں سے بے اختیار پھسلا۔

"اُن سے شادی کر لینی چاہیئے۔ ورنہ پچھتاتے رہیں گے۔" وہ مسکرائی تھی۔ بالکل آخر میں۔ لیکن مرتاض مسکرا بھی نہ سکا۔

---------★---------

لکڑی کی گول بالکونی میں بیٹھا وہ آرٹسٹ اپنے سامنے موجود سیاہ کینوس کو دیکھ رہا تھا۔ ارد گرد دیکھو تو بالکونی کی گرل پر فیری لائٹس کا اضافہ ہوا تھا۔ گملوں میں گلِ دوپہری اور سنیک پلانٹ کا اضافہ ہوا تھا۔ اضافہ تو اُس کے دل میں بھی ہوا تھا۔ عورتوں کے لیے نفرت میں شدید اضافہ۔

پھر وہ اُٹھا۔ایزل کے پاس رکھا برش اُٹھایا اور رنگ میں ڈبویا۔اب وہ کسی سحر کے زیرِاثر پینٹ کر رہا تھا۔آرٹسٹ ایسے ہی ہوتے ہیں۔آرٹ بناتے وقت ارد گرد سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔سب آوازیں ماند پڑ جاتی ہیں۔جیسے کسی نے سحر طاری کر دیا ہو۔نظر آتا ہے تو اپنے سامنے شکل لیتا آرٹ پیس۔

چند گھنٹے وہ دنیا مافیا سے بے خبر پینٹ کرتا رہا۔آخری ٹچ اپ کیے اور اب وہ تین قدم پیچھے ہٹا۔کینوس پر موجود منظر مکمل تھا۔میوزیم کے وسط میں کھڑی لڑکی۔اُس کے پاس موجود گلاس فریم سے ارسطو کا مجسمہ نظر آرہا تھا۔وہ لڑکی عبیر تھی۔جسے چند دن پہلے ابراج نے بہت بری طرح ذلیل کیا تھا۔

www.novelsclubb.com

اب وہ کینوس کو احتیاط سے اٹھا کر اپارٹمنٹ کے اندر لے آیا۔کچن کے پار نظر آتی دیوار کے پاس پہنچ کر وہ کینوس کیل پر ٹانگ دیا۔

"Welcome to my hate list . Miss Abeer.”

اب وہ مڑ کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پیچھے موجود دیوار ایسے کینوسز سے بھری پڑی تھی۔

-------★--------

سفید سنہرے آفس میں کافی دیر تک خاموشی کا راج رہا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دیکھ رہے تھے۔ فضا میں بے یقینی پھیلی ہوئی تھی۔ اس سکوت کو ایک آواز نے توڑا۔

"میری شناخت کیا ہے؟"

لاریب اندر تک لرز گئی۔ وجہ یہ سوال نہیں تھا۔ بلکہ حمدان کے لہجے کی تپش تھی۔

"میری شناخت کیا ہے؟" دوبارہ آواز گونجی۔

"تمہارے اِس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" جانے کتنی ہمت جمع کرنے کے بعد وہ بولی تھیں۔

"میرا باپ کون ہے؟" سوال بدل دیا گیا۔ مقصد وہی تھا۔

مجھے نہیں معلوم۔" آواز کانپی تھی۔ وہ جانتا تھا یہ جھوٹ ہے۔"

"ایک اولاد کے پاس جب اپنے باپ کا نام نہ ہو تو ایسی اولاد کو ناجائز کہتے ہیں۔۔۔"

آنکھوں کی تپش بڑھ گئی۔ لاریب کی سانس اٹکنے لگی۔

لیکن جب عورت کے پاس اپنی اولاد کے باپ کا نام نہ ہو تو جانتی ہیں ایسی عورت "کو کیا کہتے ہیں؟" وہ چند پل ٹھہرا۔ یہ موقع تھا کہ لاریب اُس کے سوال کا جواب دے دیں۔

www.novelsclubb.com

کئی پل تک وہ کچھ نہ بولی تو حمدان پھر بولنے لگا۔

"ایسی عورت کو بے حیا، بغیرت کہا جاتا ہے۔" اُس نے جملہ مکمل کیا اور لاریب کا ظمی راکھ ہو گئی۔ لیکن وہ اس سب سے بے نیاز تھا۔ اسے صرف اپنی شناخت سے غرض تھا۔ ایسی شناخت، جس کی تلاش کے لیے وہ جانور بننے کو بھی تیار تھا۔

"تم۔۔۔۔" الفاظ اُن کا ساتھ چھوڑ گئے۔

لوگ مجھ پر ناجائز کا لیبل لگائیں گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں ایک عام" انسان ہوں۔" اب اُس کی آنکھوں میں ایک سیاہ چمک تھی۔ سب کچھ تباہ کرنے کی چمک۔

"لیکن کیا ایک مشہور ڈیزائنر اپنے اوپر بے حیا اور بغیرت کا لیبل برداشت کر سکیں گی؟"

لاریب کو اُس سے خوف آیا۔ شدید خوف۔ اس لڑکے کی آنکھوں میں سب کچھ تہنس نہس کرنے کا جنون تھا۔

"میں شیطان نہیں ہوں۔ لیکن اچھا انسان بھی نہیں ہوں۔ اگر آج مجھے میرے جواب نہ ملے تو کل صبح تک آپ کے چرچے عام ہو چکے ہوں گے۔" ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر مزے سے اپنی نئی ملی ماں کو دیکھا۔

www.novelsclubb.com

"تمہیں میرا پتہ کس نے دیا؟" سہما سا لہجہ۔

اُس شخص نے جسے آپ نے میرا باپ بنایا تھا۔""

وہ شخص جھوٹ بھی تو بول سکتا ہے۔""

"وہ میرا جھوٹا باپ ضرور ہے۔ لیکن وہ ایک ایماندار انسان ہے۔ ساری زندگی اُس شخص نے جھوٹ نہیں کہا۔ آپ کو لگتا ہے وہ اتنا بڑا جھوٹ بولے گا۔" اُس کے دماغ میں خاکی لباس والے مرد کا چہرہ آیا۔ وہ اُس کا باپ تھا۔ وہ باپ جس نے بیس سال حمدان کو محبت و شفقت سے پالا تھا۔ اُس نے سارے خیالات جھٹکے۔ شناخت کی تلاش ضروری تھی۔ بہت ضروری۔

"میں مجبور تھی۔ تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی تھی۔"

"مجھے آپ کی مجبوریوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" بات کاٹی۔ لاریب کے چہرے کا سارا رنگ نچڑ گیا۔

www.novelsclubb.com

”میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میری اصل شناخت کیا ہے۔“

”یوسف جہانگیر۔ تمہارا باپ۔“ جانے کتنی مشکل سے انہوں نے یہ لفظ ادا کیے تھے۔ جس شخص سے جان چھڑا کر وہ خود کو آزاد کرلائی تھیں۔ اُسی شخص کی ایک اولاد اُن کے سامنے بیٹھی تھی۔

”میں آپ کی بات کا یقین کیوں کروں گا؟“ لہجے میں کاٹ تھی۔ جہانگیر انڈسٹریز سے وہ بخوبی واقف تھا۔ کیا واقعی اُس کا باپ اتنا بڑا آدمی تھا۔

”تم میرے سامنے بیٹھے مجھ سے اپنی شناخت کا سوال کر رہے ہو۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ تمہیں میری بات پر یقین ہے۔“ اب کے لہجہ سنبھلا ہوا تھا۔ جب راز کھل ہی گیا تھا تو اب ڈرنے کا کیا فائدہ۔

”یوسف جہانگیر میری بات پر یقین کرلیں گے؟ میں انہیں کہوں میں آپ کا بیٹا ہوں۔ وہ مان لیں گے؟“

جواب دینے کے بجائے وہ ذرا سا جھکیں۔ سنہری میز کی نچلی طرف موجود دراز کھولی۔ دراز کے اندر ایک خفیہ خانہ تھا۔ جو فنگر پرنٹس لاک سے اوپن ہو گیا تھا۔ اب وہ چند کاغذ حمدان کی جانب بڑھا رہی تھیں۔

"تمہارا برتھ سرٹیفیکیٹ اور بے فارم۔ جہاں تمہاری پیدائش ہوئی وہاں کے ہاسپٹل کے چند مزید کاغذات۔ یہ سب کافی ہو گا۔" وہ ڈاکیومنٹس تھام چکا تھا۔

"بے فارم اور برتھ سرٹیفیکیٹ تو میرے پاس بھی ہے۔"

"یہ اصل ڈاکیومنٹس ہیں۔ جن میں ولدیت کے خانے میں میرا اور یوسف کا نام ہے۔ جو ڈاکیومنٹس تمہارے پاس ہیں وہ الگ ہیں۔ میں نے خود تمہارے ڈاکیومنٹس چینج کروائے تھے۔ ولدیت کے خانے میں بھائی بھابی کا نام لکھوا دیا تھا۔"

"یہ سب اتنا آسان تھا؟ کسی کو اُس کی اصل شناخت سے محروم کرنا اتنا آسان ہوتا ہے؟" وہ بے بسی سے چیخا تھا۔

جس ملک میں قانون کے بجائے پیسے کا راج ہو۔وہاں یہ سب کرنا بہت آسان ”

ہے۔پیسہ پھینکو اور تماشہ دیکھو۔“

حمدان نے بے دردی سے وہ ڈاکیومنٹس اپنے بیگ میں گھسیڑے اور خالی نظروں

سے اپنے سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھا۔کیا یہ عورت ماں تھی؟حمدان کی ماں؟پھر وہ

اتنی بے رحم کیوں تھی؟مائیں تو بے رحم نہیں ہوتیں؟“

-------★------

لاہور شہر پر شام اُتر رہی تھی۔مسافر اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔پرندے اپنے

گھونسلوں میں آ گئے تھے۔مغرب کی اذانیں فضا میں گونجیں تو ماؤں نے گلی میں

کھیلتے بچے گھروں کے اندر کر لیے۔منظر بدل رہے تھے۔سورج کی نارنجیں کرنیں

چھپ گئیں تھیں۔آسمان گہرا نیلا ہو رہا تھا۔

کچھ نہیں بدلا تھا تو رباب جلیل کے کمرے کے منظر۔دونوں گھٹنے اپنے سینے سے

ٹکائے وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔چہرے پر مٹے مٹے آنسوؤں کے

نشان تھے۔ان دودنوں میں وہ بہت روئی تھی۔دکھ سے۔تکلیف سے۔افسوس سے۔بے بسی سے۔اب تو آنسو بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

دل ٹوٹے دن ہی کتنے ہوئے تھے؟دودن۔بھلا دودن بھی کسی کا غم کم کر پائے ہیں۔دیکھو تو غم منانے کو دو صدیاں بھی ناکافی ہیں۔سوچو تو غم سے نکلنے کو چند گھنٹے بھی کافی ہیں۔

مغرب کی آذانیں ابھی تک فضا میں گونج رہی تھیں۔

حی علی الفلاح

حی علی الفلاح

www.novelsclubb.com

”جب مومن مشکل میں ہوتا ہے تو نماز میں سکون تلاش کرتا ہے۔“اُس کی کانوں میں بچپن کا بھولا بسرا جملہ گونجا۔یہ رباب کی نانی کی آواز تھی۔

”میں تو مومن نہیں ہوں۔میں گنہگار ہوں۔“وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔جیسے نانی پاس ہی بیٹھی ہوں۔

”اور وہ رحیم ہے۔گنہگاروں کو معاف کرتا ہے۔“نرم میٹھی آواز۔اذانیں ختم ہو گئی تھیں۔

”میں بھٹکی ہوئی ہوں۔کوئی راستہ نہیں ہے۔“

”راستے بنانے والی ذات تو اللہ کی ہے۔تم روشنی مانگو وہ تمہیں روشنی دے گا۔تم ہدایت مانگو وہ ہدایت دے گا۔تم ایک راستہ مانگو۔وہ ہزار راستے دے گا۔“

”راستہ کیسے مانگتے ہیں؟“سات سالہ رباب اپنی نانی کے تخت پر بیٹھی پوچھ رہی تھی۔

اھدنا الصراط المستقیم“

مجھے سیدھے راستے پر چلا)“کمرے میں بیٹھی رباب نے نانی کا کہا جواب دہرایا۔)

www.novelsclubb.com

جب بھی بھٹکنے لگو تو اللہ سے کہنا **اھدنا الصراط المستقیم**۔ راستہ وہ خود بنائے گا۔ تم" بس چلتی جانا۔" نانی کی آواز ایک بار پھر سماعتوں سے ٹکرائی۔

اب وہ اُٹھی تھی۔ چھوٹے بوجھل قدم اُٹھاتے ہوئے وہ واشروم کی جانب بڑھی۔

واپسی پر اُس کے چہرے سے پانی ٹپک رہا تھا۔ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹ کر جائے اھدنا الصراط المستقیم پڑھتے نماز بچھائی۔ وہ مغرب کی نماز کی نیت باندھ رہی تھی۔ وقت زبان لڑکھڑائی۔ وہ بار بار یہ آیت پڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ زبان کی لڑکھڑاہٹ ختم ہو گئی۔

اب وہ رکوع میں جا رہی تھی۔ پھر وہ دوبارہ سیدھی کھڑی ہوئی۔ سجدے میں گئی۔ اور جو سکون سجدے میں ملا تو وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ دل کے زخم ہرے ہو گئے تھے۔ سجدے میں سر رکھے وہ رو رہی تھی۔ لیکن اللہ سمیٹ لے گا وہ جان چکی تھی۔

-------★-------

سفید سنہرا آفس ایک بار پھر خاموش ہو چکا تھا۔ حمدان کو یہاں سے گئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا تھا۔ لاریب کاظمی اپنی کرسی پر تھکی ہاری سی بیٹھی تھیں۔ اُن کے ذہن میں بار بار حمدان کے آخری جملے گھوم رہے تھے۔

ڈیڑھ گھنٹہ پہلے)(

"آپ دونوں نے مجھے کیوں چھوڑا؟" یہ سوال پوچھتے ہوئے وہ بے بس ہوا تھا۔

"میں تمہیں نہیں رکھ سکتی تھی۔ تم میری آزادی میں رکاوٹ تھے۔" اُن کے جواب نے حمدان کے وجود کو مسخ کر دیا۔ بھلا کوئی ماں اس قدر ظالم ہو سکتی ہے؟

"میرے باپ نے مجھے کیوں نہیں رکھا؟" لہجہ رندھنے لگا تھا۔

"اُسے تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔" ایک شاک تھا جو حمدان کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

"انہیں اپنے بیٹے کے باری میں نہیں پتہ؟" آواز بامشکل نکلی۔

www.novelsclubb.com

"نہیں۔ تمہاری پیدائش سے پہلے ہی ہماری علیحدگی ہوگئی تھی۔"

"علیحدگی کے وقت آپ کو پتہ تھا نہ کہ آپ ماں بننے والی ہیں۔ ہیں نہ؟" شاکی نظروں سے پوچھا۔

"ہاں۔" ایک لفظ۔ اور حمدان کی کا وجود راکھ ہو گیا۔

وہ شکستہ قدموں سے اُٹھا۔ بیگ واپس کندھے پر ڈالا اور سنہری دروازے کے پاس گیا۔

"کاش آپ مجھے میرے پیدا ہونے سے پہلے مار دیتیں۔" ایک آہ جو زمانوں کی مسافت لیے ہوئی تھی۔

"اپنی آزادی کی خاطر آپ نے مجھے تباہ کر دیا۔"

یہ آخری جملہ کہہ کر وہ چل دیا۔ لاریب نے شکستگی سے آنکھیں بند کر لیں۔

--------★---------

آج کی شام یوسف جہانگیر کے گھر والوں کے لیے حیرت کا سامان لانے والی تھی۔

لیکن نتاشہ اور یوسف اس سب سے انجان لاؤنج میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

بھاپ اڑاتے چائے کے مگ ہاتھ میں تھامے، پاس رکھی پلیٹ سے وقتاً فوقتاً ڈرائی فروٹس کھاتے ہوئے وہ ڈھیر ساری باتیں کر رہے تھے۔ کبھی ماضی کا قصہ۔ کبھی نتاشہ کا بچپن۔ کبھی آفس کے معاملات۔ کبھی کسی کتاب کا تجزیہ۔ (جہاں دو بُک ورم ہوں اور وہاں کتابوں کی بات نہ ہو۔ ایسا ہو سکتا تھا؟ ہر گز نہیں۔)

"میں نے چند دن پہلے ہی ایک کتاب خریدی ہے۔"

"رائٹر کون ہے؟" یہ یوسف صاحب کا پسندیدہ کام تھا۔ کتاب کے نام سے پہلے لکھاری کا نام پوچھنا۔

"امریتا پریتم۔" چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔ پورے جسم میں سکون پھیل گیا۔

وہ غور سے انہیں سُن رہی اب وہ امریتا پریتم کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔

تھی۔سچ یہی تھا کہ اُس نے دو دن کا آف اپنے بابا کے لیے کیا تھا۔وہ انہیں ٹائم دینا چاہتی تھی۔

”مرتاض کے ساتھ کام صحیح جا رہا ہے؟“اب وہ اُس کے بزنس کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

”کام صحیح کرتا ہے۔لیکن باتیں کم کرتا ہے۔“وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اور تم زیادہ دیر چپ بیٹھ نہیں سکتیں۔“وہ بھی ہنس دیے۔

”اب ایسا بھی کچھ نہیں ہے۔میں بس زندگی میں کچھ تھرل چاہتی ہوں۔اور ہر وقت بزنس کی باتیں کرنا سب کچھ ہو سکتا ہے۔تھرلنگ نہیں۔“مگ پر دونوں ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے اپنے ٹھنڈے ہاتھوں کو راحت پہنچائی۔

”پراجیکٹ کہاں تک پہنچا؟ باتوں کے علاوہ بھی کچھ کر رہی ہو یا نہیں؟“وہ مذاق کر رہے تھے۔

”میں سوچ رہی تھی اپنے ہوٹل پراجیکٹ میں بوٹینیکل گارڈن شامل کرلوں۔
لوکیشن سیٹ ہے۔آپ کا کیا خیال ہے؟“

”اگر تمہارے پاس انویسٹر ہے تو آئیڈیا اچھا ہے۔“

”اگر انویسٹر نہ ہو تو؟“ جانے کس خدشے کے تحت پوچھا۔

پھر انتہائی فلوپ آئیڈیا ہے۔“ سچے دل سے تلخ تجزیہ کیا۔ بھلا پیسوں کے بغیر اتنا“
بڑا آئیڈیا کامیاب ہو سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔

”آپ مجھے فائنانس کر سکتے ہیں؟“اُن کے قریب ہوتے ہوئے رازداری سے
پوچھا۔کوئی اس لڑکی سے پوچھے کہ مرتاض کو بتائے گئے شارٹ لسٹڈ انویسٹرز
کہاں گئے۔زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

”ہرگز نہیں۔“اسی رازداری سے جواب دیا گیا۔

”لیکن کیوں؟آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔“

”یہ پراجیکٹ تمہارا ہے۔اس میں کب کہاں تبدیلی کرنی ہے وہ تمہارا فیصلہ ہے۔ اوراِس فیصلے کے لیے انویسٹرز اکٹھے کرنا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔“وہ مزے سے چائے کی چسکیاں لیتے رہے۔

”مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔“اُس نے رُخ موڑ لیا۔(اب میں اتنی جلدی انویسٹرز کہاں سے لاؤں؟)وہ ایک بار پھر خود کو کوس رہی تھی۔

”ایک اچھا بزنس پرسن اپنی پروفیشنل اور پرسنل لائف کو ہمیشہ الگ رکھتا ہے۔میں وہی کر رہا ہوں۔“آخر میں وہ ہولے سے ہنسے تھے۔

زیادہ خود کو تسلی دی۔”ٹھیک ہے۔انویسٹرز تو میں ڈھونڈ لوں گی۔“اُن سے

اس تسلسل کو لاؤنج میں داخل ہوتے قدموں نے توڑا۔وہ دونوں باپ بیٹی اندر آتے شخص کو دیکھ رہے تھے۔ایک حیرانی تھی جو اِس لاؤنج میں چھائی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''السلام علیکم۔''نوارد نے نرمی سے کہا۔

لیکن وہ دونوں وعلیکم السلام نہ کہہ سکے۔

)جاری ہے(

www.novelsclubb.com